Fikr-o-Nasar (Islamabad) vol. 2:1 (1964)

تعدّد ازدواج اور اسلام

(آخری قسط)

عمر احمد عثمانی

ہم نے اس مضمون کی پہلی قسط میں قرآنِ حکیم کی متعدّد آیات پیش کی تھیں، جن سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآنی تعلیمات تعدّد ازدواج کے نہیں، بلکہ وحدتِ ازدواج کے حق میں ہیں۔ دوسری قسط میں ہم نے سورۂ نساء کی مشہور آیت وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی الآیۃ میں لفظ یتامیٰ کے مفہوم سے مفصّل بحث کرتے ہوئے ان تصرّفاتِ بیجا کی بھی نشان دہی کی تھی جو اس آیت کی تفسیر و ترجمہ میں روا رکھے گئے ہیں۔ اور اس تمام بحث کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ

> "اس آیت کریمہ کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ اگر معاشرہ میں چھوٹے چھوٹے یتیم بچے اور بچیاں، ناکتخدا یتیم جوان لڑکیاں اور بیوہ عورتیں اس انداز سے پائی جاتی ہوں کہ بجز اس صورت کے کہ ان میں سے شادی کے لائق یتیم لڑکیوں اور بیوہ عورتوں سے شادیاں کرکے تم انھیں اپنے گھرانے کا ایک فرد بنا لو کسی اور طرح ان کے ساتھ سماجی اور معاشرتی عدل و انصاف کا سلوک نہ ہو سکتا ہو تو تمہیں اس کی اجازت ہے کہ ان میں سے جو تمہیں پسند ہوں اور جو تمہارے لئے حلال ہوں تم ان سے شادیاں کرلو۔ یہ شادیاں دو دو، تین تین، چار چار کی تعداد میں کی جا سکتی ہیں۔ بشرطیکہ ان متعدد بیویوں کے ساتھ تم برابری کا سلوک کر سکو اور کسی کی حق تلفی نہ کرو۔ لیکن اگر تمہیں اس کا اندیشہ ہو کہ تم ان کے ساتھ

برابری کا سلوک نہیں کر سکو گے تو پھر تعدد ازدواج کی اجازت نہیں ہے۔ ایسی صورت میں تمہیں ایک ہی بیوی پر اکتفار کرنا چاہیئے۔"

مضمون کی اس تیسری قسط میں ہم اس سلسلے کے چند شبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اختتام تک پہنچیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس سلسلہ میں ایک بات بڑی شدت کے ساتھ دہرائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ صورت واقعہ یہ نہیں ہے کہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳ نے کسی ممنوع بات کی اجازت دی ہو۔ یعنی لوگ پہلے سے ایک ہی شادی پر اکتفار کرنے کے عادی ہوں اور اس کے بعد مسلمان معاشرہ میں یتیم لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کا کوئی مسئلہ پیدا ہوا ہو اور ایسا ہو چکنے کے بعد قرآن کریم نے اپنی اس آیت سے تعدد ازدواج کی اجازت دی ہو بلکہ صورت واقعہ یہ ہے کہ لوگ تعدد ازدواج کے عادی تھے ایک ایک شخص کے گھر میں دس دس، بیس بیس بیویاں ہوا کرتی تھیں۔ قرآن کریم کی اس آیت نے کوئی اجازت نہیں دی بلکہ غیر محدود تعدد ازدواج کے رواج میں تحدید عائد فرمادی۔ اور لوگوں کو بتا دیا کہ وہ چار سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکتے چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جن لوگوں کے گھروں میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں انھوں نے زیادہ بیویوں کو طلاق دیکر الگ کر دیا۔ اسی ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اپنے اس تبصرہ میں جو انھوں نے عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تحریر فرمایا تھا فرماتے ہیں کہ

> "سورۂ نساء کی آیت سے متعلق کمیشن کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ ایک ہنگامی ضرورت کے موقعہ پر مسلمانوں کو تعدد ازدواج کی اجازت دینے کے لئے نازل ہوئی تھی حقیقت یہ ہے کہ اس کی اجازت تو پہلے ہی سے موجود تھی۔ چنانچہ اسی اجازت کے تحت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں ایک سے زیادہ بیویاں تھیں اور صحابہ میں سے بہت سے لوگوں نے ایک سے زیادہ نکاح کر رکھے تھے۔ اس آیت نے اجازت نہیں دی بلکہ سابق اجازت سے اس ایمرجینسی میں فائدہ اٹھانے کی مسلمانوں کو ہدایت کی جس سے اس وقت مسلمان دوچار تھے۔ اور مزید براں اس نے سابق اجازت پر چند پابندیاں بھی عائد کردیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ نہیں ہوا کہ یتیموں اور بیواؤں کی مصلحت سے مسلمانوں نے ایک سے زیادہ نکاح کرنے شروع کئے ہوں بلکہ ہوا یہ کہ جن کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں انھوں نے ان کو طلاق دیدی اور جو لوگ عدل کا اہتمام نہیں کرتے تھے وہ عدل کا اہتمام

کرنے لگے۔

اس وجہ سے یہ کہنا تو بالکل غلط ہے کہ اس آیت نے مسلمانوں کو محض یتیموں اور بیواؤں کی مصلحت کے تحت ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت دی تھی۔ اگر کہی جا سکتی ہے تو یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں کو تعدّد ازدواج کی جو اجازت پہلے سے حاصل تھی اس آیت نے اس اجازت کو ایک خدمت اور ایثار کے لئے استعمال کرنے کی تلقین کی۔ وہ یہ کہ وہ اس کو یتیموں کی مصلحت کے لئے استعمال کریں اور حتی الامکان ان کی ماؤں سے نکاح کریں تاکہ یتیموں کا مسئلہ بھی حل ہو اور بیواؤں کی امداد اور پرورش کی بھی ایک صورت پیدا ہو"

(تبصرہ مولانا اصلاحی صاحب صـ ۱۲۹ ـ ۱۲)

مولانا اصلاحی نے صورت حال کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ اس لحاظ سے بڑا ہی قابل قدر ہے کہ مولانا موصوف نے اس بات کا اعتراف فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے وقت مسلمان، بیواؤں اور یتیموں کی ایک ایمرجنسی سے دوچار تھے۔ انھوں نے دوسرے حضرات کی طرح پوری ڈھٹائی کے ساتھ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی (اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم بیوہ اور یتیم عورتوں کے ساتھ انصاف کا حق ادا نہیں کر سکو گے) کی شرط کو ہضم فرمانے کی کوشش نہیں فرمائی۔ لیکن جہاں تک مولانا کے دوسرے ارشادات کا تعلق ہے ان کے متعلق ہمیں ذرا تفصیل سے گفتگو کرنی ہوگی۔

سب سے پہلی بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ مولانا کا یہ فرمانا کہ "تعدّد ازدواج کی اجازت تو پہلے ہی سے موجود تھی" اور یہ کہ "سابق اجازت سے اس ایمرجنسی میں فائدہ اٹھانے کی مسلمانوں کو ہدایت کی گئی" ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت (اس آیت کے علاوہ) موجود نہیں ہے جس سے تعدد ازدواج کی اجازت نکلتی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ عربوں میں قدیم الایّام سے تعدد ازدواج کا رواج چلا آتا تھا اور یہ چیز ان کے معاشرتی حالات کے مطابق بھی تھی۔ قبائلی عصبیت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ لوٹ مار اور خانہ جنگی ان کا شب و روز کا مشغلہ تھا۔ یہ خانہ جنگیاں بعض اوقات سو سو سال تک مسلسل چلتی رہتی تھیں اور ان کا سلسلہ کسی طرح ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اس صورت حال کا فطری نتیجہ عورتوں کی کثرت،

یتیموں اور بیواؤں کی کس مپرسی کی صورت اور مردوں کی قلت کی صورت ہی میں نکل سکتا تھا۔ اور تعدد ازدواج ہی اس کا فطری حل تھا۔

لیکن دوسری طرف لوٹ مار۔ غارت گری۔ اور جنگ وجدل کے نتیجہ میں عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرکے لونڈیاں اور غلام بھی بنایا جاتا تھا۔ جن کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی۔ اس کا یہ نتیجہ تھا کہ جو جتنا بڑا سورما اور بہادر تھا اس کے گھر میں عورتوں کی اتنی ہی بڑی تعداد ہوا کرتی تھی۔ قبائلی سرداروں کے حرم میں جہاں دس دس، بیس بیس بیویاں ہوا کرتی تھیں۔ وہاں چالیس چالیس پچاس پچاس لونڈیاں بھی ہوتی تھیں۔ عورتوں کی بہتات کتنی ہی سہی مگر لازماً اتنی نہیں ہو سکتی تھی کہ انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح گھروں میں بھر لیا جائے چنانچہ بے شمار لوگ دوسری طرف ایسے بھی تھے جو بیوی کے نام کو بھی ترستے تھے۔ غربت اور فلاکت کی وجہ سے نہ وہ شادی کر سکتے تھے نہ کوئی لونڈی خرید سکتے تھے۔ اس کا قدرتی طور پر ایک نتیجہ یہ بھی نکلنا ہی تھا کہ غریب لوگوں کی ایک بڑی تعداد تجرّد کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی۔

اسلام آیا تو اس نے عربوں کے معاشرہ کی تمام برائیوں کو بیک جنبش قلم ختم نہیں کر دیا بلکہ تدریجی طور پر اس نے آہستہ آہستہ اصلاحات کا نفاذ کیا۔ ہر نیا مذہب تدریجی اصلاح کے طریقہ ہی کو اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ اسلام کے بعد بھی کچھ عرصہ تک مسلمان گھرانوں میں یہی کیفیت باقی رہی۔ اسی کو غالباً مولانا اصلاحی نے سابق اجازت سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ عربوں کا معاشرہ جہاں ایک طرف عورتوں کی کثرت اور مردوں کی کمی۔ یتیم اور بیوہ عورتوں کی کس مپرسی کی وجہ سے تعدد ازدواج کے جواز کا متقاضی تھا وہیں دوسری طرف اس میں مناسب تحدید کا بھی متقاضی تھا تاکہ جو لوگ ایک ایک بیوی کو بھی ترستے تھے۔ انھیں بھی بیویاں میسر آسکیں۔ تعدد ازدواج کے اس رواج کو جو صدیوں سے عرب میں رائج چلا آرہا تھا، موقوف بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ معاشرتی حالات برابر باقی تھے جن کی بنا پر بجا طور پر عربوں میں تعدد ازدواج کا رواج ہوا تھا۔ بلکہ ان حالات میں اور شدت آچکی تھی۔ جنگیں اب بھی ہو رہی تھیں۔ مسلمان عورتوں کی شادیاں غیر مسلموں کے ساتھ نہیں کی جا سکتی تھیں۔ حتیٰ کہ مسلمان مردوں کو اس کی اجازت تھی کہ وہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں مگر مسلمان عورتوں کو اس کی اجازت بھی نہیں تھی کہ وہ اہل کتاب کے مردوں سے شادی کر لیں۔ انھیں بہر حال مسلمان معاشرہ ہی میں

کھپانا ضروری تھا۔ لہٰذا ایمرجینسی شدید صورت میں اب بھی موجود تھی ۔

قدرت الٰہی کو جب منظور ہوا کہ اب اس صورت حالات کی اصلاح ہو جانی چاہئے تو اس نے سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳ نازل فرما دی جس سے معاشرہ کی سہ گونہ اصلاح ہو گئی۔ قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ اس کے چند الفاظ کی ایک ہی آیت نے تین عظیم الشان اصلاحات کے نفاذ کا اعلان کیا۔ (۱) تعدد ازدواج کے رواج کو جواز کی سند عطا فرمائی گئی تاکہ یتیم اور بیوہ عورتوں کی اس کثرت کا تدارک ہو سکے جو اس وقت کے معاشرہ میں ہنگامی طور پر موجود تھی۔ (۲) اس کے ساتھ ہی اس مشروط تعدد ازدواج کی تحدید بھی ہو گئی تاکہ مالدار اور سردار لوگ اپنے ایک ایک گھر میں لاتعداد بیویاں نہ ڈال سکیں اور اس طرح ان محروم لوگوں کو بھی بیویاں میسر آسکیں جو اپنی غربت۔ فلاکت۔ کمزوری اور عورتوں کے ناقابل حصول ہونے کی وجہ سے ایک بیوی حاصل کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اور (۳) اس کے ساتھ ہی تعدد ازدواج کی اس تحدید کو آئندہ کے لئے اس ایمرجینسی کے ساتھ مشروط بھی کر دیا گیا کہ اس تعدد کی اجازت صرف ان حالات میں ہو سکتی ہے کہ عام معاشرہ میں یا کسی خاندان میں خصوصی طور پر یتیموں اور بیواؤں کا کوئی ہنگامی مسئلہ درپیش ہو۔ عام معمولی حالات میں نہیں۔ تاکہ یہ حقیقت ہر وقت پیش نظر رہے کہ یہ تعدد کن حالات میں قابل عمل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مولانا اصلاحی کے اس فقرہ میں کہ۔

"اس آیت نے اس اجازت کو ایک خدمت اور ایثار کے لئے استعمال کرنے کی تلقین کی"۔۔۔۔ ذرا سی تبدیلی ضروری ہے۔ مولانا کو یوں فرمانا چاہئے کہ اس آیت نے اس اجازت کو ایک ایمرجینسی صورت کے لئے مشروط بھی کر دیا اور بتا دیا کہ اسے صرف ان حالات ہی میں استعمال کرنا جائز ہو گا۔ عام حالات میں نہیں ۔

اس موضوع پر چونکہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳ بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ اور جو لوگ اسلام کے متعلق اس بات کے مدعی ہیں کہ وہ تعدد ازدواج کا حامی ہے وہ زیادہ تر اسی آیت کریمہ کو اپنی دلیل میں پیش کرنے کے عادی ہیں اس لئے ہمیں اس آیت پر ذرا تفصیل کے ساتھ بحث کرنی پڑی ہے جو امید ہے کہ ناظرین کے لئے غیر دلچسپ نہیں رہی ہو گی۔ آخر میں ایک اہم بات کی طرف اشارہ کر کے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اور وہ اہم بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کی بنا پر یہ حضرات، غلط فہمی سے، آیت مذکورہ سے عام حالات میں بھی تعدد ازدواج کا جواز ثابت کرتے

ہیں وہ حدیث خود یہ بات بتلا رہی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے جو شادیاں کیں وہ زیادہ تر یتیم اور بیوہ عورتوں کے ساتھ ہی کی تھیں اور ان ہی کے ساتھ نکاح کرنے میں کچھ حق تلفیاں بھی ہوئیں جن کے ازالہ کے لئے اوّلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زیر تربیت و کفالت یتیم اور بیوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے ممانعت فرمانی پڑی اور اسی سلسلہ میں بالآخر سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۲۷ نازل فرمائی گئی. کیونکہ اگر اس آیت نمبر ۳ کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے اس سے یتیم اور بیوہ عورتوں کے سوا دوسری عام عورتوں کے ساتھ شادی کی عام اجازت کا مفہوم سمجھا ہوتا اور اس کے مطابق عمل بھی کیا ہوتا تو لازماً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی اس روایت میں اس کا بھی کوئی تذکرہ فرماتیں اور اگر اس ضمن میں کوئی حق تلفی ظہور میں آتی (اور کون نہیں جانتا کہ تعدد ازدواج کی صورت میں حق تلفیاں تو لامحالہ ہوتی ہی ہیں) تو قرآن کریم اس کے لئے بھی کوئی ہدایت ضرور نازل فرماتا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی کوئی ہدایت ضرور نافذ فرماتے لیکن نہ قرآن میں ایسی کوئی آیت ملتی ہے اور نہ احادیث کے ذخیرہ میں جس سے صاف طور پر نظر آتا ہے کہ سورۂ نساء کی اس آیت نمبر ۳ کے نزول کے بعد نہ صحابہ کرام نے اس کا وہ مطلب سمجھا تھا جو آج سمجھا جاتا ہے اور نہ انھوں نے اس انداز سے شادیاں کی تھیں کہ قرآن کریم یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلہ میں کسی مزید ہدایت کی ضرورت پیش آتی ۔

تعدد ازدواج احادیث کی رو سے

اس کے بعد مناسب ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا بھی ایک سرسری سا جائزہ لے لیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کیا اسلام واقعی تعدد ازدواج کا حامی ہے؟ کیونکہ اصولی طور پر قرآن کریم کے بعد تشریع کے سلسلہ میں احادیث نبوی کو دوسری اہمیت حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں جہاں تک میرے مطالعہ کا تعلق ہے مجھے صحاح ستہ میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں مل سکی جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابۂ کرام کو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی ترغیب دی ہو یا امت کو کوئی ایسی ہدایت دی ہو کہ انھیں تعدد ازدواج پر عمل کرنا چاہیے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے کثرت آبادی کو (اپنے ابتدائی دور میں) مرغوب سمجھا ہے اور ایسے طریقوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جن سے تقلیل اولاد اور تقلیل آبادی کی ہمت افزائی ہوتی ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تقلیل آبادی کا ایک ہی طریقہ، یعنی عزل

رائج تھا۔ اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کی مخالفت نہیں فرمائی مگر اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے بھی نہیں دیکھا[۱]۔ اسی کے ساتھ ہمیں کتب صحاح میں اس قسم کی روایات بڑی آسانی کے ساتھ مل جاتی ہیں کہ

عن معقل ابن یسار قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی اصبت امرأۃ ذات حسب وجمال وانها لا تلد افاتزوجها؟ قال لا، ثم اتاه الثانیة فنهاه ثم اتاه الثالثة فقال تزوجوا الودود الولود فانی

معقل ابن یسار سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے ایک ایسی عورت مل رہی ہے جس کا حسب ونسب بھی اچھا ہے اور خوبصورت بھی ہے لیکن اس کے اولاد نہیں ہوتی تو کیا میں اس سے شادی کرلوں؟

---

[۱] سورۂ نساء کی آیت زیر بحث کے آخر میں ایک بیوی پر قناعت کرنے کی تلقین کرتے ہوئے قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے: ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا جس کا ترجمہ مشہور تابعی مفسر حضرت زید بن اسلم رح اور امام شافعی رح سے منقول تفسیروں کی رو سے یہ ہوگا کہ "یہ (یعنی ایک بیوی پر اکتفا کرنا) کثرت عیال سے بچنے کی طرف لے جانے والا ہے۔" (ملاحظہ ہو تفسیر البحر المحیط مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ، ج ۳ ص ۱۶۵) اگر حضرت زید بن اسلم رح اور امام شافعی رح کی اس تفسیر کو جس کی تائید حضرت طلحہ اور حضرت طاؤس کی قرأتوں سے ہوتی ہے، قبول کرلیا جائے تو ظاہر یہ ہوگا کہ انصاف کے تقاضوں کے علاوہ "عول" یعنی کثرت عیال سے بچنے کے لئے بھی قرآن حکیم نے وحدت ازدواج کی تائید کی ہے۔ احادیث کی رو سے عزل (COITUS INTERRUPTUS) کی اجازت بھی اسی مصلحت کی بناء پر ہوگی، ورنہ طبی اور نفسیاتی رو سے عزل تحدید نسل کی سخت مضر صحت اور ناکارہ تدبیر ہے۔ (اس کے ناکارہ ہونے کی طرف واضح اشارہ ان حدیثوں میں موجود ہے، جسے فاضل مقالہ نگار نے "ناپسندیدگی" سے تعبیر فرمایا ہے۔) عزل کے جواز کی متعدد احادیث کا معارضہ ابوداؤد اور نسائی کی حضرت معقل بن یسار سے مروی اس حدیث سے ہے جس کا حوالہ ہمارے مکرم نے اپنے مقالہ میں دیا ہے۔ اس معارضہ کو شاید اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت معقل بن یسار والی روایت اسلام کے ابتدائی دور سے مخصوص ہے، جبکہ اسلامی معاشرہ کے سامنے آبادی کی شدید کمی کا مسئلہ تھا نہ کہ اس کی بے پناہ کثرت کا۔ اس کے برخلاف عزل کی اجازت عام ہے اور قرآن حکیم کی مندرجہ بالا تفسیروں اور قرأتوں سے ہم آہنگ ہے۔ — مدیر

مکاتیب کمالات امام

ابوداؤد و النسائی

بحوالہ جمع الفوائد للامام محمد بن محمد بن سلیمان المتوفی ۱۰۹۴ھ مطبوعہ مطبعہ خیریہ میرٹھ (الہند) ۱۳۴۵ھ

آپ نے فرمایا کہ نہیں ۔ وہ شخص آپ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا (اور پھر وہی سوال دہرایا) تو آپ نے اس کو پھر منع فرمادیا۔ اس کے بعد وہ (یہی درخواست لیکر) تیسری مرتبہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ محبت کرنے والی اور بچے دینے والی عورتوں سے شادیاں کرو تاکہ میں تمہاری کثرت آبادی سے دوسری امتوں پر فخر کرسکوں۔

حالانکہ یہ بالکل موٹی سی بات ہے کہ کثرت آبادی کو حاصل کرنے کا مؤثر ترین طریقہ تعدد ازدواج ہوسکتا تھا۔ اگر اسلام واقعی تعدد ازدواج کا حامی ہوتا تو اسے سب سے پہلے نہایت شدت تکرار کے ساتھ اس مؤثر ترین نسخہ کو آزمانے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیئے تھا کہ وہ لوگوں کو کثرت ازدواج کی ترغیب دیتے اور لوگوں کو اس کے لئے آمادہ فرماتے کہ وہ زیادہ سے زیادہ شادیاں کرکے اس مقصد کو جلد سے جلد حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل خاموشی کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اسلام عام حالات میں تعدد ازدواج کا حامی نہیں ہے۔

اس کے بعد آپ اس پر بھی غور فرمایئے کہ آدمی ایک سے زیادہ شادیاں کیوں کرتا ہے۔ عموماً اس کی وجوہات کچھ اس قسم کی ہوتی ہیں۔

(۱) پہلی بیوی کی ناپسندیدگی، خواہ صورت کی وجہ سے یا سیرت کی وجہ سے۔

(۲) کسی دوسری عورت کا پسند آجانا۔

(۳) معاشی فارغ البالی کا بیجا مظاہرہ۔

(۴) پہلی بیوی سے اولاد نہ ہونا۔

(۵) ایک بیوی کا بیمار ہونا اور لاعلاج ہوجانا۔

(۶) شہوت رانی کا ہیضہ اور ایک بیوی کو مقصد برآری کے لئے کافی نہ سمجھنا۔

پانچویں اور چھٹی صورت تو شاذ و نادر ہی پیش آتی ہے۔ ورنہ عموماً شروع کی چار وجوہات ہی ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی علت ہوا کرتی ہیں۔ ان میں سے چوتھی اور پانچویں وجہ بظاہر بڑی ہی معصومانہ وجوہات

نظر آتی ہیں۔ اور ان صورتوں میں ہمارے عائلی اصلاحات کے کمیشن نے بھی دوسری شادی کے جواز کا فتویٰ دینا ضروری سمجھا ہے۔

دوسری طرف آپ یہ بھی دیکھئے کہ حضرت صحابۂ کرام اور حضرات صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین ذرا ذرا سی بات میں جو انھیں پیش آتی تھی شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لئے کس قدر بے چین رہتے تھے۔ معاشی، معاشرتی، سیاسی، انفرادی، اجتماعی، حتیٰ کہ خانگی معاملات تک میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایات طلب کرتے تھے۔ ان میں ایسے حضرات بھی تھے جو معاشی طور پر خوش حال تھے اور ایک گرانقدر فوج کو اسلحہ اور سامان رسد سے لیس کر دینے کی صلاحیت رکھتے تھے (مثلاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ) ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو جوان تھے، تندرست و توانا تھے اور قوت مردانگی اور جوش جوانی کے مالک تھے۔ جن کے ہاتھوں سے رمضان کے مہینے اور روزہ کی حالت میں بھی صبر و ضبط کا دامن چھوٹ جاتا تھا۔ (ملاحظہ ہوں حضرت عائشہ رضؓ و حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایات کفارۂ صوم کے سلسلہ میں، بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ وغیرہ) ان میں ایسے لوگ بھی یقیناً ہوتے ہوں گے جنھیں اپنی بیوی پسند نہ آسکی ہو جس کا ثبوت وہ طلاقوں کے واقعات ہیں جو ہر حدیث کی کتاب میں کثرت سے موجود ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بھی ضرور موجود ہوں گے جنھیں اپنی بیوی کے علاوہ کوئی دوسری عورت پسند آگئی ہو۔ کیونکہ یہ ایک بالکل فطری تقاضا ہے کہ حسین تر عورت ہر نوجوان آدمی کو بھا جاتی ہے۔ اور حضرات صحابہ رضؓ بہرحال انسان ہی تھے۔ فرشتے نہیں تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی ضرور ہوتے ہوں گے جن کی بیویاں بانجھ ہوں اور ان سے اولاد نہ ہوتی ہو۔ ان میں ایسے لوگ بھی یقیناً موجود ہوں گے جن کی بیویاں بیمار رہتی ہوں اور فریضۂ زوجیت ادا کرنے کے ناقابل ہوں (ملاحظہ ہوں وہ روایات جن میں بعض صحابیات کے متعلق مذکور ہے کہ انھیں مسلسل کئی مہینوں تک خون استحاضہ آتا رہتا تھا)

لیکن کیا کتب صحاح میں کوئی ایک روایت بھی ایسی دکھائی جا سکتی ہے کہ کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان وجوہات میں سے کوئی وجہ بیان کرکے دوسری شادی کی اجازت طلب کی ہو۔ یا کبھی بر سبیل تذکرہ ہی ان کی زبان پر آگیا ہو کہ میں نے دوسری یا تیسری شادی فلاں وجہ سے کی ہے۔ یا خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے لوگوں کی ان ضرورتوں کا اندازہ فرماتے ہوئے کہیں یہ فرما دیا ہو

کہ ان ضرورتوں کے ماتحت ایک سے زیادہ شادیاں کی جاسکتی ہیں۔ اگر پورے صحاح کے ذخیرۂ احادیث میں ایسی ایک روایت بھی موجود نہیں ہے۔ اور یقیناً موجود نہیں ہے تو کیا اس سے یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ اسلام ان میں سے کسی صورت میں بھی تعدّدِ ازدواج کی حمایت نہیں کرتا۔ وہ صرف ایک ہی صورت میں تعدّدِ ازدواج کی اجازت دیتا ہے اور وہ صورت وہی ہے جس کا تذکرہ قرآن کریم نے سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳ میں فرما دیا ہے یعنی یتیم اور بیوہ عورتوں کے مفادات کے تحفظ کی خاطر۔ اور بس۔

ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس قسم کے ارشادات تو مل جاتے ہیں کہ

ابو الاحوص عن ابیہ : اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی ثوب دون فقال لی : الک مال ؟ قلت نعم، قال من ای المال؟ قلت من کل المال قد اعطانی اللہ تعالیٰ من الابل والبقر والغنم والخیل والرقیق۔ قال فاذا اتاک اللہ مالا فلیرا اثر نعمۃ اللہ علیک وکرامتہ (للنسائی)

ابو الاحوص اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے جسم پر معمولی کپڑے تھے۔ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کیا تم مالدار ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کس قسم کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا۔ کہ ہر طرح کا مال ہے۔ خدا نے مجھے اونٹ، گائیں، بکریاں، گھوڑے اور غلام سب ہی کچھ عطا کر رکھا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب خدا نے تمہیں مال دیا ہے تو اللہ کی نعمت اور اس کے احسان کا اثر تمہارے جسم پر نظر آنا چاہیئے۔

اور یہ بھی کہ

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رفعہ ان اللہ یحب ان یریٰ اثر نعمہ علی عبدہ (الترمذی)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا اسے پسند فرماتا ہے کہ اس کی نعمتوں کا اثر اس کے بندہ پر نظر آئے۔

اور

عائشۃ رفعتہ : اللباس یظہر الغنی والدھن یذھب البؤس والاحسان الی المملوک

حضرت عائشہ رضؓ آنحضرت صلعم سے نقل فرماتی ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ لباس فراغبالی اور مالداری کو ظاہر کرتا ہے۔

یکبت اللہ بہ العار
(للاوسط بضعف)
مجمع الفوائد من جامع الاصول و ب الزوائد صفحات
ص ۳۰۸ ج ۱ مطبوعہ مطبعہ خیریہ میرٹھ (ہند) ۱۳۴۵ھ

بالوں میں تیل لگانا فقر وفاقہ کو دور کرتا ہے اور غلام کے ساتھ احسان کا سلوک کرنا دشمن کو نامراد کرتا ہے۔

لیکن نہیں ملتی تو کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی کہ جن لوگوں کو خدا نے مال و دولت عطا فرمایا ہے۔ اور فراغت بخشی ہے انھیں محض ایک بیوی پر اکتفا نہیں کرنی چاہئے۔ خدا نے چار بیویوں تک اجازت دی ہے۔ انھیں دو دو۔ تین تین۔ چار چار شادیاں کرنی چاہئیں۔ تاکہ خدا کی عطا کی ہوئی نعمت و ثروت کا اثر ان کی گھریلو زندگی میں نمایاں ہو سکے۔ اور لوگوں کو پتہ چل سکے کہ خدا نے اس بندہ پر کیا کیا انعامات فرمائے ہیں جبکہ اس ذخیرہ احادیث میں ہمیں اس قسم کی احادیث بھی مل جاتی ہیں کہ

ابو ذر۔ دخل عکاف ابن بشر التمیمی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ یا عکاف هل لك من زوجة ؟ قال لا قال ولا جارية ؟ قال ولا جارية۔ قال وانت موسر بخير قال وانا موسر بخير۔ قال انت اذاً من اخوان الشياطين لو كنت من النصارى كنت من رهبانهم ان سنتنا النكاح، شرار كم عزابكم واراذل موتاكم عزابكم بالشيطن تمرسون ؟ . . .

ابو ذر غفاری فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عکاف ابن بشر تمیمی حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے عکاف! تمہاری بیوی ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: باندی بھی کوئی نہیں؟ ا... نے عرض کیا کہ باندی بھی کوئی نہیں۔ آپ نے پوچھا تم مالدار اور خوش حال بھی ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہاں میں مالدار اور خوش حال بھی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تو تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو۔ اگر تم نصرانی ہوتے تو ان کے راہبوں میں سے ہوتے۔ ہماری سنت نکاح کرنا ہے۔ تم میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو مجرد ہوں اور تمہارے رذیل ترین مردے وہ ہیں جو مجرد ہی مر گئے ہوں۔ کیا تم لوگ شیطان کے ساتھ ساتھ چلتے ہو؟ . . . . . .

ویحك . یا عکاف تزوج والا فانت من المذبذبين قال زوجني يا رسول الله قال زوجتك كريمة

اے عکاف! تیرا ناس ہو، شادی کر، ورنہ تو پیٹھ پھیرنے والوں میں شمار ہوگا۔ عکاف نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول!

بنت کلثوم الحمیری — آپ میری شادی کرادیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ جا میں نے کلثوم حمیری کی لڑکی کریمہ سے تیری شادی کردی۔ (مسند احمد بن حنبل)

لیکن ہمیں ایسی ایک روایت بھی تو نہیں ملتی کہ کسی مالدار اور فارغ البال صحابی سے آپ نے دریافت فرمایا ہو کہ تیرے کتنی بیویاں ہیں؟ اور جب وہ بتاتا کہ اس کے ایک ہی بیوی ہے تو آپ نے فرمایا ہوتا کہ مالدار اور خوش حال ہوتے ہوئے تمہارے ایک ہی بیوی کیوں ہے؟ تمہارے تو چار چار بیویاں ہونی چاہئیں۔ خدا نے جب تمہیں مال و دولت عطا فرمائی ہے تو اس کی نعمت کے اثرات تمہاری گھریلو زندگی میں نمایاں ہونے چاہئیں، آپ نے کسی سے یہ پوچھا ہوتا کہ تمہارے اولاد کتنی ہے؟ اور جب وہ بتاتا کہ میرے اولاد نہیں ہے۔ میری بیوی بانجھ ہے تو آپ نے اسے فرمایا ہوتا کہ اگر ایک بیوی سے اولاد نہیں ہو رہی ہے تو تمہیں دوسری، تیسری اور چوتھی بیوی کرنی چاہئے۔ اسلام کثرت آبادی چاہتا ہے اور میں تمہاری کثرت تعداد سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ لہذا اولاد پیدا کرنے کے لئے تمہیں مزید شادیاں کرنی چاہئیں۔ اگر پوری صحاح ستہ میں ہمیں اس قسم کی روایات نہیں ملتیں تو کیا اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان مقاصد کے لئے عام حالات میں اسلام تعدد ازدواج کی حمایت نہیں کرتا۔

ہم نے اپنے پچھلے مقالہ میں جو صغر سنی کی شادیوں سے متعلق تھا بتایا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی یہ تاریخی اہمیت بھی ہے کہ ان ہدایات کو سامنے رکھ کر ہم صحیح طور پر اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ اپنے ابتدائی دور میں کن حالات و کوائف سے گذرا ہے اور وہ کون سے مسائل تھے جو انہیں اس دور میں پیش آتے تھے۔ اس بات کو ہم یہاں پھر دہراتے ہیں اور اس بنا پر ہم اس نتیجہ پر پہنچنے میں مجبور ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان مقاصد کے لئے جن کے لئے ہم آج تعدد ازدواج کی طرف مائل ہوتے ہیں حضرات صحابہ کرام ایک سے زیادہ شادیاں نہیں کرتے تھے ورنہ یقیناً احادیث و روایات میں کسی نہ کسی نوعیت کے ساتھ ان کا تذکرہ ضرور ہونا چاہئے تھا۔ اس قسم کے تذکرہ کا نہ ہونا اس بات کی شہادت ہے کہ ان مقاصد کے لئے اس مبارک دور میں ایک سے زیادہ شادیاں نہیں کی جاتی تھیں۔

ایک اور شبہ اور اس کا جواب

اس سلسلہ میں ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر بات یہی ہے جو تم بیان کر رہے ہو تو پھر چودہ سو سال سے مسلمانوں میں تعدد ازدواج کا رواج کیوں چلا آ رہا ہے۔ تم سے پہلے بڑے بڑے جیّد علماء اور بڑے بڑے مقتدر فقہاء کرام گذر چکے ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آئی جو تم کہہ رہے ہو اور انہوں نے عام حالات میں مسلمانوں کو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے سے کیوں نہیں روکا۔ بلکہ تاریخ تو ہمیں بتاتی ہے کہ وہ خود بھی تعدد ازدواج پر عمل کرتے رہے ہیں۔ کیا اتنے بڑے بڑے اکابر ایک غلط اور ناجائز کام کرتے رہے ہیں؟ مختلف مکاتب خیال کے چودہ [۱۴] علمائے کرام کی طرف سے عائلی اصلاحات کے خلاف جو ایک پمفلٹ شائع کیا گیا تھا۔ اس میں فرمایا گیا تھا کہ

"قرآن جن انبیاء کو خدا کے مقرر کردہ امام، پیشوا اور مقتدا قرار دیتا ہے، ان میں سے بیشتر تعدد ازدواج پر عامل تھے، خود سرور انبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد بیویاں تھیں۔ کوئی منکر حدیث بھی اس امر واقعہ سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قرآن میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا ذکر ہے وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفاء، بیشتر صحابہ، اکثر ائمہ اہل بیت اور اسلامی تاریخ کے اکثر اکابر جن پر مسلمانوں کو فخر ہے۔ بیک وقت متعدد بیویاں رکھتے تھے۔ ان میں سے کس کس کے متعلق آخر آپ ثابت کریں گے کہ ان کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی سخت ضرورت تھی؟ اس چیز کو اصلاً ایک برائی تسلیم کر لینے کے بعد قولاً "ایک زوجی" کے قائل اہل مغرب بہت سی ناجائز داشتائیں اور آشنائیں رکھنے کے باوجود صالح قرار پاتے ہیں، اس لئے کہ ان میں سے کسی نے کسی ضرورت کی بناء پر ایک سے زائد قانونی بیویاں نہیں رکھیں اور مسلمانوں کے بیشتر اکابر کم از کم نیم صالح تو قرار پاتے ہی ہیں۔ کیونکہ وہ ضرورۃً اس "برائی" پر عمل کرتے رہے"۔

(مسلم فیملی لاز آرڈیننس پر علماء کرام کا تبصرہ صفحہ ۶ مطبوعہ ہمدرد پرنٹنگ پریس ملتان شہر)

اس کا ایک جواب تو اصولی ہے اور وہ یہ کہ اسلام میں اہمیت اصول اور قانون کو ہے شخصیتوں کو نہیں ہے۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ قرآن و سنت سے ہمیں کیا ہدایات ملتی ہیں اور ان پر ہی ہمیں عمل کرنا چاہئے۔ اگر کسی شخصیت کا عمل

قرآن وسنت کی ہدایات کے خلاف نظر آتا ہے تو تاویل یا توجیہ قرآن وسنت میں نہیں کی جانی چاہئے بلکہ اس شخصیت کے عمل میں کی جانی چاہئے۔ ویسے ہمیں یقین ہے کہ ان حضرات کا عمل قرآن کریم اور سنت نبوی کے خلاف نہیں ہوگا۔ اگر ہم اس سلسلہ یہ بات ثابت نہیں کرسکتے کہ انھیں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی سخت ضرورت لاحق تھی تو دوسری طرف ہم ان کے سلسلہ میں یہ بات بھی تو ثابت نہیں کرسکتے کہ انہوں نے بغیر جائز ضرورت ہی کے ایک سے زیادہ بیویاں رکھ چھوڑی تھیں۔ قرآن وسنت کی وہ تمام ہدایات جو آج ہمارے سامنے ہیں یقیناً ان کے سامنے بھی تھیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ تمام ہدایات ہم تک انہی حضرات سے پہنچی ہیں۔ اگر ہم ان کے خلاف کسی سوءظنی میں مبتلا نہیں ہیں تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ ان تمام ہدایات کو جانتے ہوئے خود ان کے خلاف عمل کرتے ہوں حسن ظن کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم یہ بات تسلیم کریں کہ یقیناً ان کے دور میں اسلامی معاشرہ، عمومی طور پر، یا خود ان کے اپنے ذاتی اور خاندانی حالات، خصوصی طور پر اس امر کے مقتضی ہوں گے کہ وہ اس ہنگامی یا خصوصی ہدایت پر عمل پیرا ہوں۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ اب سے پہلے ہر دور میں اسلامی معاشرہ یتیم اور بیوہ عورتوں سے دوچار رہا ہے۔ ابتدائی صدیوں میں جہاد فی سبیل اللہ کے تسلسل کی بنا پر اور اس کے بعد مسلمانوں کی آئے دن کی باہمی خانہ جنگیوں کی بدولت کوئی ایسی صدی نہیں گذری جبکہ مسلمانوں میں یتیم اور بیوہ عورتوں کا مسئلہ ایک زندہ حقیقت کی حیثیت سے موجود نہ رہا ہو۔ اور اگر بالفرض کچھ دیر کے لئے یہ بات تسلیم بھی کرلی جائے کہ اس طویل ترین عرصہ میں کبھی ایسا دور بھی آیا ہوگا کہ مسلمانوں کا معاشرہ بالعموم یتیم اور بیوہ عورتوں کے مسائل سے دوچار نہ رہا ہو تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ جن حضرات اکابر نے تعدد ازدواج پر عمل فرمایا تھا وہ اسی مختصر عرصہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اگر بالفرض وہ اسی مختصر عرصہ سے تعلق بھی رکھتے ہوں تو کیا یہ بھی ضروری تھا کہ خود ان کے ذاتی اور خاندانی خصوصی احوال وکوائف بھی جائز طور پر اس کے مقتضی نہ رہے ہوں کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کریں؟ اگر ہمیں ان کے خلاف سوءظن نہیں ہے، اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہمارے لئے ان کے خلاف سوءظن کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ خصوصی طور پر ان کے حالات اسی کے مقتضی ہوں گے کہ وہ کسی یتیم اور بیوہ عورت کی دستگیری اور کفالت کی خاطر تعدد ازدواج کی اس اجازت سے فائدہ اٹھائیں۔

واضح رہے کہ ہم نے وضاحت کے ساتھ پہلے ہی عرض کردیا تھا کہ قرآن کریم کی رو سے تعدد

ازدواج کی اجازت محض جنگ کے بعد ہنگامی حالات ہی سے مخصوص نہیں ہے، جیسا کہ ہمارے دور کے بعض تجدد پسندوں نے دعویٰ کر دیا ہے، بلکہ غیر ہنگامی حالات میں بھی اگر کسی گھرانے میں خصوصی طور پر اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں کہ کسی شخص کو کسی یتیم اور بیوہ عورت کی دستگیری اور کفالت کے لئے ایسا اقدام کرنا پڑ جائے تو قرآن کریم اس کی اجازت بھی دیتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے یتیم اور بیوہ عورتوں کی دستگیری اور ان کے مفادات کی حفاظت کے لئے جب بھی ضرورت پیش آجائے اور جہاں بھی ضرورت پیش آجائے، وہاں تعدد ازدواج نہ ممنوع ہے اور نہ کوئی برائی ہے۔ قرآن کریم نے صرف ایک ہی شرط لگائی ہے اور وہ یتیم اور بیوہ عورتوں کے ساتھ سماجی اور معاشرتی انصاف حاصل نہ ہو سکنے کا اندیشہ ہے اور بس۔ قرآن کریم نے جنگ وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔ اور نہ عام ہنگامی صورت کا کوئی تذکرہ کیا ہے۔

یہی توجیہ ہمارے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاحوں کی بھی ہے۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا باقی تمام نکاح بیوہ ستم رسیدہ، بیکس اور بے سہارا اور یتیم عورتوں (عربی زبان کے مفہوم میں) ہی کے ساتھ فرمائے تھے۔ جن میں سے زیادہ تر سن رسیدہ اور معمر خواتین تھیں جن کی دستگیری اور کفالت انتہائی ضروری تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھن

وآخر دعوای ان الحمد للہ رب العلمین۔